يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ

ہدایات

برائے

جماعت احمدیہ

منجانب حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب

امیر جماعت احمدیہ۔ لاہور

ہر ایک احمدی دوست اس رسالہ کو اول سے آخر تک پڑھ کر اپنی حالت کے مطابق ضروری امور پر نشان کرے اور ان امور کو عمل میں لانے کی کوشش کرے

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے چھپوا کر شائع کیا

www.aaiil.org

شرائط بیعت

اوّل[1] ۔ بیعت کنندہ سچے دل سے عہد اس بات کا کرے کہ آئندہ اسوقت تک کہ قبر میں داخل ہوجائے شرک سے مجتنب رہے گا۔

دوم[2] ۔ یہ کہ جھوٹ اور زنا اور بدنظری اور ہر ایک فسق اور فجور اور ظلم و خیانت اور فساد اور بغاوت کے طریقوں سے بچتا رہے گا۔ اور نفسانی جوشوں کے وقت ان کا مغلوب نہیں ہوگا۔ اگرچہ کیسا ہی جذبہ پیش آوے۔

سوم[3] ۔ یہ کہ بلا ناغہ پنج وقت نماز موافق حکم خدا اور رسول کے ادا کرتا رہے گا۔ اور حتی الوسع نماز تہجد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کرے گا۔ اور دلی محبت سے خدائے تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کرکے اس کی حمد اور تعریف کو ہر روز اپنا ورد بناوے گا۔

چہارم[4] ۔ یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دیگا۔ نہ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ کسی اور طرح سے۔

پنجم[5] ۔ یہ کہ ہر حال رنج و راحت اور عسر یسر اور نعمت اور بلا میں خدائے تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کرے گا۔ اور بہر حال راضی بقضا ہوگا۔ اور ہر ایک ذلت اور دکھ کے قبول کرنے کے لیئے اس کی راہ میں طیار رہے گا۔ اور کسی مصیبت کے وارد ہونے پر اس سے منہ نہیں پھیرے گا بلکہ آگے قدم بڑھائے گا۔

ششم - یہ کہ اتباع رسم اور متابعت ہوا وہوس سے باز آئے گا۔ اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلی اپنے سر پر قبول کرے گا۔ اور قال اللہ اور قال الرسول کو اپنے ہر ایک راہ میں دستور العمل قرار دے گا۔

ہفتم - یہ کہ تکبر اور نخوت کو بکلّی چھوڑ دے گا۔ اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی اور حلیمی اور مسکینی سے زندگی بسر کرے گا۔

ہشتم - یہ کہ دین اور دین کی عزت اور ہمدردی اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزت اور اپنی اولاد اور اپنے ہر ایک عزیز سے زیادہ تر عزیز سمجھے گا۔

نہم - یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض للہ مشغول رہے گا۔ اور جہاں تک بس چل سکتا ہے اپنی خداداد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچائے گا۔

دہم - یہ کہ اس عاجز سے عقد اخوت محض للہ باقرار طاعت در معروف باندھ کر اس پر تا وقت مرگ قائم رہے گا۔ اور اس عقد اخوت میں ایسا اعلیٰ درجہ کا ہوگا کہ اس کی نظیر دنیوی رشتوں اور تعلقوں اور تمام خادمانہ حالتوں میں پائی نہ جاتی ہو۔

یہ وہ شرائط ہیں جو بیعت کرنیوالوں کے لئے ضروری ہیں۔

(ازالہ اوہام ص ۵۵۳)

خُلاصہ

ہمارا کام۔ قرآن کریم کے تراجم مختلف زبانوں میں کرنا اور علوم دینی کا ذخیرہ تیار کرنا اور ان کا دنیا میں پھیلانا۔

ہماری قومی خصوصیات (۱) ہماری زندگی کا مقصد اشاعت اسلام ہے۔

۲۔ اس مقصد کے حصول کیلئے مالی اور جانی قربانیاں کرنا۔

۳۔ اسلام اور اس کی تاریخ و ادیان مختلفہ کی واقفیت حاصل کرنا۔

۴۔ پابندی شریعت اور شعار اسلامی کی عزّت۔

۵۔ تبلیغ مذہب میں وسعت قلبی مسلمانوں سے محبت۔

۶۔ خدمت اسلام کی عزت و توقیر۔

ہمارا نظام۔ (۱) ہم سب ایک آواز کے ماتحت ہوں اور اس آواز کی عزّت کرنے والے ہوں۔

۲۔ وہ آواز قومی شورٰے کی آواز ہے جس سے کسی شخص کو انحراف نہ ہونا چاہیئے۔

۳۔ مالی نظام یہ ہے کہ سب افراد جماعت اپنی زکوٰۃ کی رقم کی دو تہائی قومی بیت المال میں داخل کریں۔ اپنی آمدنی میں سے ایک آنہ (۱) فی روپیہ کے حساب سے چندہ دیں اور پیش آمدہ ضروریات میں حصّہ لیں۔

۴۔ ایک دوسرے کی عزت کریں اور ایک دوسرے پر حسن ظن سے کام لیں۔ بڑے آدمیوں سے باز پرس بھی کریں۔

۵۔ جملہ افراد قومی کاموں میں اس قدر دلچسپی لیں کہ انہیں ذاتی کاموں پر مقدم کریں۔

ہماری ترقی

(۱)۔ ایمانی جوش جو مسیح موعودؑ کے انفاس قدسی نے پیدا کیا ہمیشہ ترقی کی حالت میں رہے۔

۲۔ باہم میل جول ہو۔ لاہور میں آمدورفت اور سالانہ جلسہ میں شمولیت ضروری ہے۔ اپنے اپنے شہروں میں علاوہ جمعہ کے ایک دن اکٹھے ہونے اور کسی مضمون پر بحث کرنے کیلئے مقرر کیا جائے۔

۳۔ قرآن کریم کے درس کا سلسلہ جاری ہو۔

۴۔ اخبارات سلسلہ اور سلسلہ کا لٹریچر مطالعہ میں رہے۔

۵۔ بچوں کی تعلیم حتی الوسع مسلم ہائی سکول میں ہو۔

۶۔ غربا۔ مساکین یتامٰی بیوگان کی خبرگیری کی جائے۔

۷۔ آپس میں رشتہ داریاں ہوں۔

۸۔ قابل اصلاح امور سے اطلاع دیتے رہیں۔

۹۔ جماعت کو بڑھانے کی فکر کی جائے اور اپنے عزیزوں رشتہ داروں میں سلسلہ کی تبلیغ ہو پھر اس کے بعد دوسرے لوگوں میں جاری رہے۔ نئے بچوں کو داخل بیعت کیا جائے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ

یہ چند ہدایات اُن احباب کیلئے ہیں جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں داخل ہو کر دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد کر چکے ہیں۔ مَیں چاہتا ہوں کہ یہ امور ہر حال میں ہمارے پیش نظر رہیں۔ کسی مقصد میں کامیابی کا اصل راز ہی اس قدر ہے کہ انسان اس مقصد کو اپنی کسی حالت میں فراموش نہ کرے بلکہ جملہ حالات میں جو اُس پر وارد ہوں اُسے پیش نظر رکھتا ہوا اس کے لئے جدّ وجہد میں مصروف رہے۔

اس سے پہلے کہ مَیں اُن امور کی طرف احباب کو توجہ دلاؤں یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ جو کام اب تک ہماری قوم نے کیا ہے وہ کیا ہے؟ اور جو آئندہ کرنا ہے وہ کیا ہے؟ تفصیلات سے غرض نہیں۔ صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ سب سے زیادہ ضروری کام جس کی ضرورت نہ صرف دوسری اقوام میں اشاعت وتبلیغ اسلام کے لئے ہے بلکہ مسلمانوں کی اندرونی اصلاح اور ترقی بھی اسی سے وابستہ ہے۔ وہ قرآن کریم کا مختلف زبانوں میں پھیلانا۔ اور اس تعلیم کو عام کرنا ہے جو اس پاک کتاب میں دی گئی ہے۔ سیّدنا حضرت محمد مصطفٰےؐ کی پاک سیرت کو غیر مسلموں اور مسلمانوں تک پہنچانا ہے۔ تا کا وّل الذکر

کے لئے وہ موجب کشش اور مؤخر الذکر کے لئے ہدایت اور راہنمائی کا موجب ہو۔ اور اسلام کے پاک چہرہ کو دنیا میں روشن کرکے جسقدر دھبے اس پر ہیں انہیں دُور کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہی وہ ہتھیار ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود حضرت مسیح موعودؑ کو دیکر بھیجا۔ اور یہی وہ کامیاب حربہ ہے جو بالآخر باطل کا سر کچل دے گا اسلام کی صحیح تعلیم کا مختلف زبانوں میں مرقع تیار کرنا یہ پہلا کام ہے۔ اور اُس تعلیم کا پھیلانا یہ دُوسرا کام ہے۔ انہی دو باتوں سے لیظھرہٗ علی الدین کُلّہٖ کا نظارہ دیکھا جا سکے گا۔ اور انہی دونوں سے مسلماں را مسلماں باز کردند کا ظہور ہوگا۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے اس مہتم بالشان کام میں ہماری قوم پہلا قدم اٹھا چکی ہے۔ اور جو قبولیت اللہ تعالیٰ نے اُس میں پیدا کی ہے اُسے بھی دیکھ چکی ہے۔ ہمارے ترجمہ کے بعد قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کی آواز کئی جگہ سے اٹھی۔ ہم کسی کی نیت پر حملہ نہیں کرتے لیکن اگر خدمت اسلام مد نظر ہوتو اور بیسیوں قسم کی تصانیف کی ضرورت ہے۔ قرآن شریف کا انگریزی ترجمہ تو ہو چکا ہے۔ پہلے ان ضرورتوں کو پورا کرنے کی کوشش کی جاتی بہرحال یہ آوازیں بتاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارا قدم کامیابی کے صحیح رستہ پر ہے۔ مگر جو کچھ ہم نے کیا ہے وہ اُس کے مقابل جو ہم نے کرنا ہے کچھ بھی نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے کہ دین اسلام کل ادیان پر غالب آئے گا۔ اور یقیناً سچا ہے۔ اگر حضرت مسیح موعود اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھے اور یقیناً تھے تو اس صحیح تعلیم اسلامی کو جس کی طرف امام وقت نے ہمیں توجہ دلائی ہے۔ دنیا بھر کی زبانوں میں پیش کرنا اور پھیلانا ہے۔ ہاں

ایک مفید کام شروع ہو چکا ہے۔ اور اُس کا جاری رہنا اور اتمام کو پہنچنا اس بات پر منحصر ہے کہ یہ جماعت جس نے اس کام کو شروع کیا ہے۔ ایک محکم نظام کے ماتحت قائم رہے جو اسے بگڑنے سے بچائے۔ اور اُس میں ترقی اور نشوونما ہو۔ کیونکہ اگر ہم ترقی نہیں کریں گے تو تنزل لازمی ہے۔ اور ہمارا انتظام محکم نہیں ہوگا تو موجودہ جماعت بھی قائم نہیں رہ سکتی۔ اور یہ نقصان اسلام کو ہوگا۔ کہ ایک اعلیٰ درجہ کا مفید کام شروع ہو کر رُک جائے گا۔ پس استحکام اور ترقی جماعت کی جس قدر تجویزیں ہیں وہ ہم میں سے ہر ایک کے ہر حال میں پیش نظر ہونی چاہئیں۔ جس قدر جماعت مضبوط ہوگی۔ اور ترقی کرے گی اُسی قدر خدمت اسلام کا یہ مفید کام بھی ترقی کرے گا اور جس قدر جماعت کے نظام میں نقص ہوگا اور ترقی کی رفتار سست ہوگی اُسی قدر خدمت اسلام کے اس عظیم الشان کام کو بھی نقصان پہنچے گا۔ اور ہم سب عنداللہ اس بات کے ذمہ وار ہوں گے کہ جس کام کی تکمیل کے لئے ہم نے اللہ تعالیٰ کے ایک مامور کے ہاتھ پر عہد کیا تھا اُس کام کی کوئی پرواہ نہ کی۔ اور اُس عہد کو پُورا نہ کیا۔

ذیل کی تین باتوں کی طرف میں اپنے بھائیوں کو بالخصوص توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں۔

ہماری قومی خصوصیات

سب سے پہلی بات یہ ہے۔ کہ ہم اپنی قومی خصوصیات کو کبھی۔ ۔ ۔ ۔

فراموش نہ کریں ہماری قومی خصوصیات میں وہ باتیں داخل ہیں جن کو اختیار کر کے ہم دوسروں سے ممتاز رہ سکتے ہیں۔ اُن میں سے مَیں صرف چند موٹی موٹی باتوں کا ذکر کرتا ہوں۔

۱۔ ہماری پہلی اور سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ہماری زندگی کا ایک خاص مقصد ہے یعنی اشاعت اسلام مجھے اس سے انکار نہیں کہ اور بھی بہتیرے لوگ دنیا میں ہوں گے جن کی زندگی کا مقصد اشاعت اسلام ہوگا مگر ہماری خصوصیت یہ اس لحاظ سے ہے کہ ہماری قوم وجود میں ہی اس غرض کے لیئے آئی ہے کہ خدا اور اس کے رسول کا نام دنیا میں پھیلائے۔ ہماری قوم فی الحقیقت اس کام کو زندہ رکھنے کے لئے تیار ہوئی ہے جو اللہ تعالےٰ نے اس صدی کے مجدّد اور اس زمانہ کے امام کے سپرد کیا تھا یعنی کسر صلیب کرنا اور اسلام کو یہاں تک دنیا میں پہنچانا کہ اُس کا غلبہ سب ادیان پر ہو جائے۔ کسر صلیب کو خاص اس لحاظ سے کیا۔ کہ اسلام کے پھیلنے میں جسقدر رکاوٹ ہے وہ سب سے بڑھ کر صلیبی مذہب کی طرف سے ہے۔ یعنی عیسائیت کی طرف سے۔

کوئی انسان یا کوئی قوم جب ایک خاص غرض کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لے تو خواہ وہ کوئی سا کام کرے وہی کام اُس کے مقصد کے حصول میں معاون ہو جاتا ہے۔ لیکن کوئی کام زندگی کا مقصد صرف منہ سے کہہ دینے سے نہیں بنتا بلکہ جب انسان کو یہ بات سمجھ آجائے کہ اُس کی زندگی کا مقصد فلاں ہے تو اُس کے دل میں اس کام کے لئے ایک تڑپ پیدا ہو جاتی ہے۔ اُس کے

حصول کے لئے ایک ایسا جذبہ عشق و محبت پیدا ہو جاتا ہے۔ جو اُسے دل بایار و دست درکار کا مصداق بنا دیتا ہے۔ اس کے حصول میں اگر ہزار ہا مشکلات بھی نظر آئیں تو اُس کے عزم و ہمت کے سامنے سب ہیچ ہو جاتی ہیں۔ کوئی کشش اور کوئی محبت اس کی توجہ کو اس کام سے ہٹا نہیں سکتی۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت مسیح موعودؑ کے دل میں کس قدر تڑپ اور جوش اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے تھا۔ اُس جوش نے سینکڑوں نہیں ہزاروں دلوں میں آگ لگا دی۔ بلکہ آخر کار دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ اور وہی مسلمان جو اشاعت اسلام کے کام کو بہت کچھ غیر ضروری سمجھ کر اُس سے غافل ہو رہے تھے آج چاروں طرف سے اشاعت اسلام کی ضرورت کو پکار پکار کر بیان کر رہے ہیں۔ آٹھوں پہر آپ کو یہی ایک فکر تھی کہ کس طرح خدا کے نام کو دنیا کے دور دراز ملکوں میں پہنچایا جائے۔ یہی آپ کی نیم شبی دعاؤں کا مدعا تھا۔ اسی کے لئے آپ کی گریہ و زاری حضور باری میں تھی۔ اس کام پر باقی سب باتیں قربان تھیں۔ وہی کیفیت آج ہمارے قلوب میں پیدا ہونی چاہئے۔ وہی تڑپ ہو۔ وہی گریہ و زاری حضور باری میں ہو۔ وہی قربانیاں ہوں۔ اسی کو میں اپنی قوم کی سب سے پہلی خصوصیت سمجھتا ہوں ؎

۲۔ کوئی مقصد بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس کے حصول کی طرف کوئی قدم اُٹھایا جا سکتا ہے۔ جب تک کہ اس کے لئے عظیم الشان قربانیاں نہ کی جائیں پس اگر فی الحقیقت ہم نے اپنی زندگیوں کا مقصد اشاعت و تبلیغ اسلام کو قرار دیا ہے۔ تو ضرور ہے کہ ہم میں ایک دوسری خصوصیت بھی پیدا ہو۔

یعنی اس مقصد کے حصول کے لئے ہم بے نظیر قربانیاں کر کے دکھائیں۔ خواہ وہ قربانیاں جان کی ہوں۔ یا مال کی۔ وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ۔ جب تک انسان اپنی جان اور اُس مال کو جو اللہ تعالیٰ نے اسے دیا ہے۔ خدا کی امانت نہیں سمجھتا۔ جسے اُس کے راستہ میں اور اس کے مطالبہ پر خوش دلی سے واپس کر دے۔ اُس وقت تک وہ کچھ قربانی نہیں کر سکتا۔ ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے پس دوسری خصوصیت جو ہمارے اندر ہو وہ یہ ہونی چاہئے کہ ہم اس بات کے لئے تیار رہیں کہ اگر اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے گھروں اور وطنوں سے باہر نکلنا پڑے۔ تو بلا کسی تردد کے باہر نکلیں۔ اور اگر جسمانی تکالیف اُٹھانی پڑیں تو اُٹھائیں۔ اگر مال خرچ کرنا پڑے تو سب سے مقدم اس خرچ کو کریں۔ اس کے راستہ میں دے کر خوش ہوں اور جب خرچ کرنے کے لئے کچھ پاس نہ ہو تو ہمیں اس بات کا غم ہو اور دل میں یہ تڑپ ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کچھ دے تو ہم اس کے راستہ میں خرچ کریں۔

۳۔ چونکہ اشاعت اسلام کا کام یہ چاہتا ہے کہ ایک طرف ہمیں مذہب اسلام سے کافی واقفیت ہو۔ اور دوسری طرف اُن اقوام کے مذاہب جن کے اندر ہم نے اسلام پھیلانا ہے۔ اس لئے تیسری خصوصیت ہماری قوم کی یہ ہو کہ ہم میں سے ہر ایک کیا بڑا اور کیا چھوٹا حصول علم دین و ادیان مختلفہ کے لئے پورا زور لگانے والا ہو۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ ہر ایک شخص

اپنی فکر معاش کی مصروفیتوں کے باوجود کچھ نہ کچھ وقت نکال سکتا ہے جس میں وہ اپنے علم میں کچھ اضافہ کر سکتا ہے۔ جو لوگ خواندہ ہیں وہ تفریح کے طور پر ہی ایسی کتب کا مطالعہ کرتے رہیں۔ حصول علم دین میں قرآن کریم سب پر مقدم ہے۔ پھر حدیث و سیرت اور تاریخ اسلامی ہے۔ دوسرے مذاہب میں سے ہندو مذہب ہمارا قریب تر ہمسایہ ہے۔ اس سے اور بالخصوص اس کے جدید فرقہ آریہ سماج کے اصولوں سے واقفیت پیدا کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ اُن لوگوں کے خیالات سے واقف ہو کر ہم اُنہیں موزوں طریق پر دین حق پہنچا سکیں۔ عیسائیت جیسا کہ میں نے اُوپر لکھا۔ اسلام کی ترقی کے راستہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ غلبۂ دین اسلام کے لئے ازبس ضروری ہے کہ ہم میں سے ہر ایک شخص اپنی اپنی استعداد کے مطابق اس مذہب کے مقابلہ کے لئے تیار ہو۔ پھر اس کے علاوہ دنیا کے دوسرے بڑے مذاہب سے بھی کچھ واقفیت پیدا کرنا ضروری ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کی کتابیں اس زمانہ میں نہ صرف ان تمام امور پر زبردست روشنی ڈالتی ہیں۔ بلکہ ہمارے ہاتھ میں ایک ایسا علم بھی دیتی ہیں۔ جس کے سامنے باطل ٹھہر نہیں سکتا۔ اس لئے ان کتب سے واقف ہونا۔ اُنہیں بار بار پڑھنا ہمارے لئے نہایت ضروری ہے۔ صرف خود نہیں بلکہ اپنی اولاد کے مطالعہ میں سب سے پہلے ان کتب کو لانا چاہئے ان سے واقفیت انسان کے اندر غیرتِ حق اور باطل کے مقابلہ پر زبردست قوت پیدا کر دیتی ہے جس کی

آج سب سے بڑھ کر ضرورت ہے۔

۴ - ہماری چوتھی خصوصیت پابندیٔ شریعت اور شعارِ اسلامی کی عزت ہونی چاہیے۔ کوئی جماعت یا کوئی شخص حق کو دوسروں تک پہنچانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ خود اُس کا اپنا عمل اُس حق پر نہ ہو۔ دوسرے دلوں پر اثر وہی بات کرتی ہے جو دل سے نکلتی ہے۔ جو بات دل میں ہو وہ جوارح پر خود اثر کرتی اور انسان کے عمل میں ظاہر ہو جاتی ہے۔ بہت لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ گو اُن کے عمل کیسے ہوں مگر وہ دل سے فلاں بات کو سچ مانتے ہیں۔ ممکن ہے یہ کسی حد تک درست بھی ہو لیکن جس شخص کی بات میں اس قدر قوت نہیں کہ اُس کے اپنے جوارح پر اُس کا اثر ہو۔ دوسروں پر اس کی بات کیا اثر کرے گی۔ جو شخص یہ چاہتا ہے۔ اور ہم میں سے ہر ایک شخص کی یہ خواہش ہونی چاہیے کہ اُس کی بات کا دوسروں پر اثر ہو۔ وہ پہلے اپنے اعمال پر اُس کا اثر پیدا کرے۔ دوسروں پر اثر ڈالنے کا مرتبہ بعد میں آتا ہے۔ ہم قرآن کریم کے سامنے دنیا کو جھکا سکتے ہیں مگر اُس وقت جب پہلے ہماری اپنی گردنیں اُس کے سامنے عاجزی سے جھک جائیں۔

۵ - ہماری پانچویں خصوصیت تبلیغ مذہب میں وسعتِ قلبی ہے۔ ہمیں قرآن کریم نے یہ تعلیم دی ہے کہ ہر قوم کے اندر رسول گزرے ہیں۔ اس لئے کسی قوم کی مقدس کتاب۔ یا اُس کے کسی مسلمہ بزرگ کی تحقیر کا خیال تک بھی ہمارے دل میں نہ آنا چاہیے۔ ہاں کسی بزرگ کی تعلیم میں کوئی غلطی نظر آتی

ہو۔ یا کسی کتاب میں کوئی ایسی تعلیم موجود ہو جسے عقل قبول نہیں کرتی۔ یا جو قابل عمل در آمد نہیں۔ تو اُس کا بیان کر دینا امر دیگر ہے۔ لیکن ہر قوم کے بزرگ اور اس کی کتاب کا احترام ہمارے دلوں میں ہونا چاہیئے۔ ہر ایک مذہب ایک نہ ایک حد تک انسان کا تعلق ذات باری سے پیدا کرتا ہے۔ ہاں کامل تعلق صرف اسلام کی پیروی سے ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ لیکن چونکہ اوّل تو سب دیگر مذاہب کی تعلیم وقتی اور قومی تھی یعنی بلحاظ زمانہ اور بلحاظ مکان دونوں طرح محدود تھی۔ پھر اُن بزرگوں کے حالات محفوظ نہیں رہے اور بہت سی غلط باتیں بھی صحیح باتوں کے ساتھ مل کر مشہور ہو گئیں۔ اور اس طرح سے سب کتب مقدسہ میں تحریف راہ پا گئی۔ اس لئے ایک ایسے مذہب کی انسانوں کو ضرورت ہوئی جو تحدید قومی اور تحدید زمانی سے آزاد ہو اور جس کے راہنما کے حالات تاریخ کی روشنی میں پڑھے جا سکتے ہوں اور جس کی کتاب تحریف سے پاک ہو۔ ذات باری سے کامل تعلق وہی مذہب پیدا کر سکتا ہے اور وہ مذہب اسلام ہے۔ اسلام میں داخل ہو کر کوئی انسان کچھ کھوتا نہیں۔ نہ کسی بزرگ کی جس کی وہ پہلے عزت کرتا ہو عزّت میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے۔ بلکہ اس کے ماننے کے ساتھ دُنیا کے دوسرے تمام بزرگوں کی عزت کے لئے دل کھل جاتا ہے۔ اور ہر ایک سچائی کی قبولیت کے لئے قلب میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے پس جو شخص دوسروں کو اسلام کی طرف بلاتا ہے۔ اُس کے قلب میں یہ وسعت پہلے سے موجود ہونی چاہیئے۔ اور وہ کسی کو بُرا کہنے کے بغیر حق کو پیش کر سکتا ہو۔

پہلے مذاہب میں روشنی موجود تھی۔ مگر وہ روشنی کمزور تھی اور دھندلی پڑ گئی۔ جملہ انبیاء ایک شب تاریک میں چراغوں کا کام دیتے رہے۔ لیکن جب آفتاب نبوت کا طلوع ہو گیا تو اب ان چراغوں سے روشنی لینے کی بجائے اپنے قلب کے دروازے کھول کر آفتاب عالمتاب کی روشنی کو اندر آنے دینا چاہیئے۔ دوسروں کو بُرا کہنے کی بجائے حق کی فوقیت کو پیش کرنا چاہیئے۔ اور جس مذہب نے اس قدر وسعت قلبی دوسرے مذاہب اور اُن کے بزرگوں کے متعلق سکھلائی ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ مسلمانوں کے دوسرے فرقوں اور گروہوں سے نفرت نہیں سکھا سکتا۔ اس لئے ہم احمدیوں کے دلوں میں اسلام کے ہر ایک بزرگ کی بھی عزت ہونی چاہیئے۔ نقص سے تو کون بشر خالی ہے لیکن ہمیں چاہیئے کہ اُن بزرگوں کی خوبیوں پر ہماری نگاہ ہو۔ اور اُن کی خدمات کا اعتراف ہمارے دلوں میں موجود ہو۔ کسی فرقہ اسلام کو بُرا کہنے والے ہم نہ ہوں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا قائل ہے۔ اس کی تکفیر کو سب سے بڑا جرم سمجھیں۔ اگر غیروں کے لئے ہمارے قلب میں وسعت ہے۔ اور یہی قرآن کریم کی تعلیم ہے۔ تو اپنے ہی مسلمان بھائیوں سے تنگی برتنا اور انہیں کافر قرار دینا اس وسعت قلبی کے منافی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے لے کر ہر ایک امام۔ بزرگ۔ ولی۔ محدث اور مجدد کی عزت سچے دل سے کرنی چاہیئے اور کسی اسلامی فرقہ کے ساتھ کوئی نفرت یا بغض

دل میں نہ رکھنا چاہیئے۔ ہاں سب مسلمانوں کو بھی تواصوا بالحق کے ماتحت
اس حق کی طرف بلانا چاہیئے جس پر اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے مجدد
کو قائم کیا ہے۔ اور جس فرقہ میں کوئی غلطی ہو اس کے اظہار میں لایخافون
لومۃ لائم کا مصداق اپنے آپ کو بنانا چاہیئے۔

۷۔ آخری بات جس کا میں اس ذیل میں بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں وہ
یہ ہے کہ ہمارے دلوں میں خدمت اسلام اور اعلائے کلمۃ اللہ کی سچی عزت
ہو۔ اگر غور کیا جائے تو خدا کا نام دنیا میں پھیلانا اور حق کی دعوت دینا سب
سے معزز کام ہے۔ اس لئے کہ یہ کام انبیاء کا ہے۔ جو انسانوں میں سب
سے برگزیدہ گروہ ہے۔ دوسرا کوئی کام اس کی بلندی اور شان کو نہیں پہنچ
سکتا۔ لیکن عملاً اکثر لوگ اسے بہت ذلیل کام سمجھتے ہیں۔ جب اپنے عزیزوں
اور دوستوں کو کسی بلند مقام پر پہنچا ہوا دیکھنے کا خیال ہمارے دلوں میں پیدا
ہوتا ہے۔ تو ہماری نظریں یا تو کسی دنیوی عہدہ کی طرف اور یا کسی تجارت و
جائداد کی طرف جاتی ہیں اور خدا کا نام پھیلانے کے لئے اُن کو تیار کرنا ایک
ذلیل کام نظر آتا ہے۔ گو ہم کئی قسم کے بہانے بھی اس کے لئے تجویز کر لیتے
ہیں مثلاً یہ کہ ہماری اولاد کسی کی دست نگر نہ ہو۔ گویا دست نگری کا
اندیشہ صرف اُسی صورت میں ہے جب کہ خدا کے کام کے لئے اپنی اولاد
کو تیار کیا جائے گا۔ اصل بات یہ ہے کہ دلوں میں اس کام کی وہ عزت نہیں
گو ایسا کام کرنے والے آدمیوں کی بلحاظ ان کے بلند مرتبہ کے بعض وقت
عزت بھی کر لیتے ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ بھی ایک ضرورت ہے کہ جو لوگ

ہم میں سے خدا کے راستہ میں کام کے لئے نکلیں اور اعلائے کلمۃ اللہ کریں
ہم ان کی عزت سب سے بڑھ کر کریں۔ اس سے کام کرنیوالوں کی بھی حوصلہ
افزائی ہوتی ہے۔ لیکن حقیقی عزت کا معیار یہی ہے کہ جب ہم اپنے عزیزوں
اور اولاد کے لئے حصول عزت کے ذرائع کی تلاش میں ہوں تو کبھی اعلائے
کلمۃ اللہ کا کام بھی ہمارے سامنے آجائے اور اس کو ہم سب سے زیادہ
عزت کا کام سمجھ کر اُنہیں خدمتِ دین کے لئے تیار کریں۔ اس تیاری کے
بعد اگر وہ خدمتِ دین نہ کریں تو ہم عنداللہ معذور ہوں گے۔

ہمارا نظام

یہ دوسری بات ہے جس کی طرف میں توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ نظام کے
بغیر قوم زندہ بھی نہیں رہ سکتی۔ ترقی کرنا تو ایک طرف رہا نظام قوم جس قدر
مضبوط ہوگا اُسی قدر قوم جلد ترقی کرے گی اور اپنے مقصد کے حصول میں
کامیاب ہوگی۔ نظام قوم کے لئے ذیل کے اُمور کا مدنظر رکھنا ضروری
ہے:۔

ا۔ ہر ایک جاندار جسم کی یہ خاصیت ہے کہ اُس میں ایک ارادہ کے پیدا
ہوتے ہی سب اعضاء ایک کام میں لگ جاتے ہیں۔ ایک مشین کا انجن
چلتے ہی اس کے مختلف پُرزے حرکت میں آتے اور اپنے اپنے کام میں لگ
جاتے ہیں۔ یہی نشان ایک زندہ قوم کا ہے کہ ایک آواز پر اُسکے وہ پُرزے
جن کا تعلق اُس خاص کام سے ہے اپنے اپنے کام میں لگ جاتے ہیں یہی قوم

کا نظام کہلاتا ہے۔ جس قوم کا نظام نہیں۔ جس کے افراد ایک آواز پر حصول مقصد میں اپنا سارا زور صرف کرنے کے لئے نہیں لگ جاتے اس میں زندگی کی کوئی علامت نہیں۔ جس چیز کے اجزا ایک ارادہ کے ماتحت نہیں وہ جاندار چیز نہیں۔ بلکہ متفرق اجزا کا ایک ڈھیر ہے۔ پس بحیثیت ایک قوم کے ہماری سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ ہم سب ایک آواز پر جمع ہوں اور جب وہ آواز ہمیں ہماری زندگی کے مقاصد کے حصول کی طرف بلائے تو ہم دیوانہ وار دوڑ جائیں اور اپنے اپنے کام میں لگ جائیں۔ اس وقت ہمارا اپنا ارادہ کچھ نہ رہے۔ بلکہ ہماری تمام تر کوشش کسی اور کے ارادہ کو پورا کرنے کیلئے ہو جس کے ماتحت قوم حرکت میں آ جائے۔

۲۔ ایسی آواز شخصی بھی ہو سکتی ہے اور قومی بھی۔ شخصی آواز سے یہ مراد ہے کہ قوم کا سیاہ و سفید ایک خاص آدمی کے ہاتھ میں دیدیا جائے وہ جس طرح پر چاہے قوم کو چلائے اور جو چاہے اُس سے کام لے۔ قومی آواز سے مراد یہ ہے کہ وہ آواز قوم کے شورے کے ماتحت ہو۔ یہی دوسرا طریق وہ ہے جس کی تعلیم اسلام نے دی ہے۔ وامرھم شوریٰ بینھم۔ بلکہ خود نبی کریم ؐ کو بھی حکم دیا ہے۔ وشاورھم فی الامر۔ شورے کی غرض یہ ہے کہ ہر انسان کو انسانیت کا حق جو از روئے رائے ہے دیا جائے مگر ایسے رنگ میں کہ اختلاف آرا قوم کے لئے نقصان کا موجب نہ ہو۔ جب بہت سے لوگ ایک امر کے متعلق مشورہ دیتے ہیں تو ہر ایک شخص کی رائے کچھ نہ کچھ الگ رنگ رکھتی ہے۔ اور سب رایوں پر عملدرآمد محال ہوتا ہے۔ اس لئے کسی

ایک رائے پر پہنچنا ضروری ہوتا ہے۔ اس کا فیصلہ کثرت رائے سے کیا جاتا ہے یعنی وہ لوگ جو اہل الرائے قرار دیئے گئے ہیں۔ جس رائے پر زیادہ تعداد میں جمع ہوجائیں وہی شوریٰ کا فیصلہ یا قومی آواز سمجھی جائے گی۔ اور ہر ایک فرد قوم کے لیئے اس کی فرمانبرداری ضروری ہوگی۔ صرف یہی ایک طریق ہے جس سے باوجود آزادی رائے کے ایک رائے پر اجتماع ہوسکتا ہے۔ مسلمانوں نے اس اصول کو اکثر حالات میں ترک کر رکھا ہے۔ اور بجائے قومی رائے یا شوریٰ کے شخصی رائے کو ترجیح دیتے ہیں۔ بلکہ بعض وقت اگر شورے ہو بھی تو اس کے فیصلہ کو پھر شخصی رائے کے ماتحت کر دیا جاتا ہے۔ یعنی امام یا امیر اختلاف آرا کے وقت اپنی شخصی رائے سے کثرت یا قلت جس رائے کو چاہے اختیار کرے۔ اس کے معنے سوائے اس کے کچھ نہیں کہ قومی رائے پر پھر شخصی رائے کو حاکم کر دیا جاتا ہے ۔ حالانکہ صحابہ کرام رضؓ کے فیصلے کثرت رائے سے ہوتے تھے۔ اور اس موجودہ زمانہ میں حضرت مسیح موعودؑ نے پھر اس صحیح اصول کو زندہ کیا ہے۔ اور صاف طور پر اپنی قلم سے لکھ دیا ہے کہ انجمن کا جو فیصلہ کثرت رائے سے ہو۔ اُسی پر عمل ہوگا۔ اور اس فیصلہ کو کوئی شخصی رائے نہ توڑ سکے گی۔ پس یہی وہ اصول ہے جس پر ہماری قوم کو اپنے نظام قومی میں عمل پیرا ہونا چاہئے ۔ جو شخص شورے کے فیصلہ کی پرواہ نہیں کرتا یا باوجود شورے کے فیصلہ کے اپنی ذاتی رائے کو ترجیح دیتا اور اُسی پر عمل پیرا ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے صریح حکم امرھم شوریٰ بینھم کی مخالفت کرتا ہے اور عنداللہ گنہگار

ہے۔ مگر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ شورائے صرف اہم امور کے متعلق ہوتا ہے اس لئے نظامِ قومی میں جو انتظامی کام خاص خاص آدمیوں کے سپرد کئے جاتے ہیں وہ بھی شورائے کے ماتحت ہی شروع کئے جائیں گے۔ اصول یہ ہے کہ شخصی رائے قومی رائے کے ماتحت ہو قومی رائے پر حاکم نہ ہو۔ ہاں مسائل مذہبی و اعتقادات میں بعض وقت جب ایک شخص کا اجتہاد اُسے ایک خاص نتیجہ پر پہنچاتا ہے تو اُس کو چھوڑنے پر اُسے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ مگر قومی کام میں اگر ایک رائے پر اجتماع ہو کر اُسی کا تتبع نہ ہو تو نتیجہ تفرقہ اور قوم کی بربادی ہوتی ہے۔

۳۔ ہمارے شورائے کے ماتحت ہر ایک احمدی کو مالی طور پر نظام قومی میں برابر حصہ لینا چاہئے خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا۔ بڑائی چھوٹائی کا معیار ہماری قوم میں ہمارے مقصد زندگی کے لحاظ سے ہے۔ جس قدر زیادہ کوئی شخص خدمت اسلام کرتا ہے اُسی قدر وہ بڑا ہوتا ہے۔ پھر جو شخص اپنی زندگی ہی خدمت اسلام کے لئے وقف کر دیتا ہے وہ بہت ہی بڑا اور بہت ہی قابل عزت ہے۔ لیکن نظام قومی میں حصہ لینے سے کوئی شخص مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ مثلاً زکوٰۃ جیسے ایک ملازم یا تاجر یا اور دنیا کا کام کرنے والے پر فرض ہے اسی طرح اس شخص پر بھی فرض ہے جو دن رات خدمت دین کرتا ہے۔ زکوٰۃ کے لئے یہ شرط نہیں کہ کوئی شخص کیا کام کرتا ہے۔ بلکہ شرط صرف نصاب کی ہے۔ اگر ایک خاص رقم سے زائد مال کسی شخص کے پاس ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔

اس حکم قرآنی کے ماتحت ہمارے شورائے کا فیصلہ یہ ہے کہ ہمارے سب احباب اپنی اپنی زکوٰۃ کا دو تہائی حصّہ قومی بیت المال میں داخل کریں اور ایک تہائی کو اپنے طور پر خرچ کریں۔ اس سے ملتا جلتا عملدرآمد بعض حالات میں رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں بھی نظر آتا ہے۔ پھر دینی کاموں کو چلانے کے لئے انفاق مال کی ضرورت ہے۔ اور قرآن شریف نے بھی زکوٰۃ کے علاوہ جہاد کو ضروری ٹھہرایا ہے۔ خواہ وہ جہاد سیفی ہو یا قلمی۔ مگر دونوں میں مال کے خرچ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس حکم قرآنی کے ماتحت ہمارے شورائے نے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ سب افراد قومی اپنی اپنی آمدنی سے کم از کم تین پیسے فی روپیہ کے حساب سے یا آمدنی کا بیسواں حصّہ بطور چندہ ماہوار ادا کریں۔ زیادہ جو چاہیں ادا کریں۔ اس قومی آواز سے انحراف کرنا بھی اپنے آپ کو قومی نظام سے علیحدہ کرنا ہے۔ یہ ایک ذمّہ واری ہے جو بڑے آدمیوں پر بھی عائد ہوتی ہے اور چھوٹوں پر بھی۔ اُمرا پر بھی اور غربا پر بھی۔ بڑے لوگ اگر پیش قدمی کریں تو وہ چھوٹوں کے لئے نمونہ بن جائیں گے۔ چھوٹے اگر اس نیک کام میں سبقت اختیار کریں تو بڑوں کے لئے وہ موجب تحریص ہو جائیں گے یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ بڑوں کی ذمّہ واری بھی زیادہ ہوتی ہے۔ صرف یہی نہیں کہ جسے خدا نے اپنے فضل سے زیادہ دیا ہے وہ بھی اپنے مولیٰ کی رضا کے لئے زیادہ دے۔ بلکہ جس قدر سمجھ سے زیادہ حصّہ کسی کو ملا ہے اور جس قدر دین کا درد کسی کے دل

میں زیادہ ہے۔ اُسی قدر اس پر ذمہ واری بھی ہے۔ اس لئے اگر جماعت کے عام لوگ اپنی آمدنیوں کا بیسواں حصّہ دیں تو جو دوست انجمن کے معتمد اور اس کے ارکان ہیں اُنہیں اس سے بھی بڑھ کر دینا چاہئے اور اس کے علاوہ اور کاموں کی ذمہ واری کا بوجھ بھی اٹھانا چاہئے۔ اور وقتاً فوقتاً جو ضرورتیں پیش آتی رہتی ہیں۔ اُن میں سب کو حصّہ لینا چاہئے اس قسم کی ضروریات حضرت نبی کریم صلعم کو بھی پیش آتی رہتی تھیں اور آپ اپنے صحابہ رضؓ کو انفاق مال کے لئے تاکید فرماتے رہتے تھے۔ اور بعض صحابیؓ اپنا سارا اندوختہ۔ بعض نصف اور بعض چوتھائی یا اس سے کم حصّہ بھی ضروریات پیش آمدہ پر لاکر حاضر کرتے تھے۔ ایسی ہی ضروریات اشاعتِ دین کے لئے پیش آتی رہی ہیں۔

۴۔ نظام قومی کے قیام کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ کام کرنے والوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی عزّت اور ایک دوسرے پر اعتماد اور حسن ظن ہو۔ جب کام کرنے والوں میں ایک دوسرے پر بے اعتمادی ہو جائے تو کام برباد ہو جاتا ہے۔ اگر کام کرنے والوں میں للّٰہیت اور بے نفسی ہو تو بدظنی کے مواقع خود بخود کم ہو جاتے ہیں۔ لیکن پھر بھی غلط فہمی ہو سکتی ہے اور بعض اوقات ایک بدظنی انسان کی طبیعت میں پرورش پاتی پاتی خطرناک صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اور نکتہ چینی کے رنگ میں ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے تک پہنچ کر قوم کی وحدت اور نظام کو نقصان پہنچاتی ہے۔ اس لئے سب سے پہلے تو اس بات کی

ضرورت ہے کہ حتی الوسع اپنے بھائی پر حسن ظن سے کام لیا جائے۔ جب اُس کے کام کی اچھی تشریح بھی ہوسکتی ہے۔ اور بُری بھی۔ تو بُری تشریح سے بچنا چاہیئے۔ اور اگر واقعات ایسے ہوں کہ کسی کارکن کے خلاف کوئی شکایت پیدا ہو تو اس کو خاموشی سے اپنے دل میں پختہ کرنے کی بجائے یا باتوں کے ذریعہ سے دوسرے لوگوں تک پہنچانے کی بجائے اُن لوگوں کی طرف پہنچانا چاہیئے جو اس کی اصلاح کر سکتے ہوں یا کارکن مذکور سے بازپُرس کر سکتے ہوں۔ کارکنوں سے غلطیاں بھی ہوتی رہیں گی۔ ان غلطیوں کی اصلاح کا بہترین طریق یہی ہے کہ ذمہ وار آدمیوں تک اُنہیں پہنچایا جائے۔ اس کے ساتھ ہی مَیں یہ بھی کہوں گا کہ بڑے سے بڑا آدمی جو ہمارے اس سلسلہ میں کسی کام پر مامور ہے عنداللہ اور عندالناس اس بات کا جواب دہ ہے کہ وہ قوم کی امانت کو ٹھیک ادا کرے۔ پھر بھی اس کی غلطیاں غلطیاں ہی ہیں۔ اگر وہ ٹیڑھا پن اختیار کرے تو قوم کا فرض ہے کہ اسے سیدھا کرے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ نے خلافت کو قبول کرتے وقت فرمایا تھا فان زغت فقومونی یعنی اگر مَیں کجی اختیار کروں تو تم مجھے سیدھا کرو۔ آج بھی یہ ضرورت ہے کہ اگر ایک طرف ہم خدا کی راہ میں کام کرنے والوں کی عزت کریں تو دوسری طرف ان کی غلطیوں پر بازپُرس کے لئے بھی تیار رہیں۔ اور یہ سوائے اس کے نہیں ہوسکتا کہ قوم کے سب افراد ہر ایک قومی کام میں اسقدر دلچسپی لیں کہ وہ گویا اُسے اپنا ذاتی کام ہی سمجھتے ہیں۔

۵۔ نظام قومی کی یہ پانچویں ضرورت ہے جو ابھی بیان ہوئی یعنی قوم کے جملہ افراد قومی کاموں میں اس قدر دلچسپی لیں۔ کہ اُن کو اپنے ذاتی کاموں پر ترجیح دیں۔ مسلمانوں میں عملی کمزوری اس حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ جب انجمنیں اور کمیٹیاں بننے لگتی ہیں تو ہر ایک شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ کوئی عہدہ یا ممبری اُسے ملے لیکن دلچسپی کی یہ حالت ہوتی ہے کہ کبھی بھولے سے بھی ان کمیٹیوں میں آنے کا نام نہیں لیتے حالانکہ ایک مسلمان کا عمل اس کے خلاف یوں ہونا چاہیئے کہ کسی عہدہ یا ممبری کی خواہش اُس کے دل میں قطعًا نہ ہو۔ لیکن جب قومی مشورہ سے ایک کام اس کے ذمہ ڈال دیا جائے تو اُسے اس قدر دلچسپی سے کرے اور اس قدر توجہ اس کی طرف ہو کہ وہ اس کے ذاتی کاموں پر بھی مقدم ہو جائے۔ مَیں چاہتا ہوں کہ ہماری جماعت اس بیماری کو اپنے اندر نہ آنے دے جو عام طور پر مسلمانوں میں پائی جاتی ہے۔ کام تو خدا کا ہے اُس کے کرنے کے لئے مجھے چُنا جائے یا میرے کسی بھائی کو میرے لئے یکساں ہونا چاہیئے۔ سوائے اس کے کہ اگر مجھے کسی کام کے لئے چُنا گیا ہے تو مجھے اُس بوجھ کو اُٹھانے سے پہلوتہی نہیں کرنا چاہیئے بلکہ خوش دلی سے اسے قبول کر کے سارا زور اس کام کی تکمیل پر لگانا چاہیئے۔ قومی کاموں کی عزت کرنے کا حکم قرآن شریف میں مذکور ہے۔ ایسے کاموں کا نام امرِ جامع رکھا ہے یعنی اس کی اہمیت اس قدر ہے کہ سب لوگوں کو جنہیں بلایا جائے اُس کے لئے جمع ہو جانا چاہیئے۔ بلکہ یہاں تک حکم ہے کہ جمع ہونے کے بعد بلا اجازت امام یا امیر چلے بھی نہ جائیں۔ ایسا ہی جب

افراد قومی سے کوئی مشورہ طلب کیا جائے تو اپنی سمجھ کے مطابق اُس مشورہ میں حصّہ لینا چاہیئے ۔

ہماری ترقی

دنیا میں سکون کی حالت کوئی نہیں ۔جب ایک قوم ترقی کرنے سے رُک جاتی ہے تو اس کا قدم تنزل کی طرف جانا لازمی ہے ۔ مسلمان ایک وقت تک اپنے اندر یہ جوش رکھتے تھے کہ اُن کا قدم دنیا میں بڑھے جونہی یہ جوش ختم ہؤا ساتھ ہی انحطاط قومی شروع ہوگیا ۔ اور آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ مسلمانوں کے فرزند کہیں عیسائیت میں داخل ہونے لگے اور کہیں ہندوؤں میں واپس ملنے لگے ۔ یہ تعداد تھوڑی ہو یا بہت یہ الگ امر ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ تنزل کی طرف قدم ہے ہم بھی اگر اپنی قوم کے قدم کو آگے بڑھانے کی طرف توجّہ نہ کریں گے تو تنزل شروع ہو جائے گا ۔ پس ہم میں سے ہر ایک کو یہ فکر ہونا چاہیئے کہ کس طرح ہماری قوم ترقی کرے ۔

ا ۔ موجودہ جماعت کی ترقی میں سب سے اہم ضرورت یہ ہے کہ افراد جماعت کا ایمانی جوش ترقی کرے ۔کسی قوم کی طاقت کا انحصار اس جوش پر ہے جو اسے اپنے خاص کام میں ہو ۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے کاموں میں ایمانی جوش بہت حد تک مفقود ہے ۔ اور یہی وجہ ہے کہ جس کام میں ہاتھ ڈالتے ہیں اُس کی حالت نیم مردہ سی رہتی ہے ۔ یہی ایمانی

جوش تھا جس نے صحابہؓ سے ناممکن کام کروا دیئے۔ وہ تھوڑے تھے لیکن ایمانی جوش سے اُن کے پاک سینے لبریز تھے۔ سخت سے سخت مصائب کو اور تاریک مشکلات کو ان کے ایمانی جوش پاش پاش کر دیتے تھے۔ اور ان کے دل اس یقین سے کہ اسلام ضرور کامیاب ہوگا اور عظمت الٰہی کے سامنے لوگ آخر گردنیں جھکا دیں گے۔ اس قدر معمور تھے کہ پہاڑوں کی مانند رکاوٹیں بھی اس یقین کے سامنے کھڑی نہ رہ سکیں۔ لیکن آج اسلام کی آخری کامیابی پر یہ یقین الا ماشاء اللہ مسلمانوں کے دلوں سے مرچکا ہے۔ اور ظاہری اسباب اس کے خلاف نظر آتے ہیں۔ اس لئے ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے ہاتھ سے کسی سینہ میں یہ آگ از سر نو مشتعل کرتا جس کی چنگاریاں مردہ دلوں کو زندہ کر دیتیں اور دل اس یقین سے بھر جاتے کہ اسلام اور قرآن کی طاقت کے سامنے پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور اسلام اپنی تمام تر مغلوبیت اور بے کسی کے باوجود دنیا میں غالب آئے گا۔ اسلام کی کامیابی کے ظاہری اسباب اس قدر مردہ ہو چکے تھے کہ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص ارادہ سے کسی سینہ کو اس یقین سے بھر دیتا اس کا پیدا ہونا ناممکن تھا۔ سو اللہ تعالیٰ نے مجدّد وقت کے سینے کو اس یقین سے بھر دیا۔ اور اُسی آگ کی چنگاریوں نے اُس کے دامن سے وابستہ ہونیوالوں کے دلوں کو بھی روشن کیا۔ اور ایک جماعت میں وہ زبردست احساس پیدا ہو گیا۔ جو خدا کے لئے مال اور جان کی قربانی کرا دیتا ہے۔ اس احساس کو زندہ رکھنا اور اپنی قربانیوں سے اُس کی

آبپاشی کرنا اور اس کو قوت دینا یہاں تک کہ اس کا اثر دوسروں تک پہنچے۔ ہماری ترقی کی سب سے پہلی ضرورت ہے۔ جس طرح یہ سچ ہے۔ کہ جوش ایمان یا جذبۂ محبت قربانی کراتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی صحیح ہے کہ قربانی سے یہ جوش ایمانی یا جذبۂ محبت اور ترقی کرتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے سے لازم و ملزوم کا تعلق رکھتی ہیں اور آج اس جوش ایمانی کو جو خدا کے مامور نے ہمارے سینوں میں پیدا کیا ہم خدا کے راستہ میں مالی اور جانی قربانیوں سے ہی ترقی دے سکتے ہیں۔

۴۔ ہماری ترقی کے سامانوں میں سے بڑا بھاری سامان یہ ہے کہ ہمارے باہمی تعلقات اور میل جول زیادہ ہوں۔ انسانوں کا باہم میل جول ایک رگڑ کی مانند ہے جس سے آگ پیدا ہوتی ہے۔ اس میل جول میں مرکز سلسلہ کے اجتماع کو جو لاہور ہے بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ سال میں ایک دفعہ یہ اجتماع سالانہ جلسہ کے موقعہ پر ہوتا ہے۔ اس موقعہ پر سب احباب کو جمع ہونے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اور اس کے علاوہ بھی جب میسر آئے۔ اس تعلق کو مضبوط کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیئے۔ علاوہ ازیں ہر ایک جماعت کو اپنے اپنے مقام اور شہر میں وقتاً فوقتاً جمع ہونے کا انتظام کرنا ضروری ہے ایک اجتماع جمعہ کے دن نماز کے لئے ہو سکتا ہے۔ جو ہر جگہ جماعت کو اپنے لئے کرنا چاہیئے۔ یعنی ہماری جماعت کا ہر جگہ جمعہ کا انتظام ضروری ہے۔ خطبہ جمعہ ایک نہایت مفید حصّہ تعلیم کا ہے۔ جسے مسلمانوں نے

یا تو چند عربی فقرات پر محدود کر دیا ہے یا چند اشعار پر۔ حالانکہ اس کا منشا قوم کو بیدار کرنا۔ اُس میں اخلاق فاضلہ پیدا کرنا۔ ضروری تحریکات قومی کا اسے علم دینا وغیرہ امور تھے۔ جن کی طرف عام طور پر مساجد میں توجہ بھی نہیں کی جاتی۔ اس لئے ہماری زندگی اور ترقی کے لئے نماز جمعہ کا علیحدہ انتظام ضروری ہے۔ اس کے علاوہ ہفتہ میں ایک بار ایک دوسرے اجتماع کا انتظام ہر مقام پر ضروری ہے۔ جس میں ضروری قومی امور پر مشورہ ہو۔ اور تقاریر و لیکچروں وغیرہ کا انتظام ہو۔ جس سے نہ صرف ایک شخص کے علم سے دوسرے احباب فائدہ حاصل کر سکیں گے۔ بلکہ احباب سلسلہ اشاعت و تبلیغ کے کام کے لئے تیار بھی ہوتے رہیں گے۔ اس کام کے لئے عموماً اتوار کا دن جو دفاتر میں تعطیل کا دن ہوتا ہے زیادہ موزون ہے۔ اس اجتماع میں کوئی مذہبی مضمون جو اپنی جماعت سے تعلق رکھتا ہو۔ یا تعلیم اسلامی سے یا کسی دوسرے مذہب سے مقرر کر کے سب احباب کو اس پر بحث میں حصہ لینا چاہیئے۔

۱۱۔ قرآن کریم ہی چونکہ ہمارے اندر روحانی طاقت پیدا کرتا ہے اس لئے تمام بڑی بڑی جماعتوں میں درس قرآن کے سلسلہ کا جاری ہونا ضروری ہے۔ اس سے اجتماع قومی کا فائدہ بھی حاصل ہوتا رہے گا۔ علاوہ ازیں جملہ احباب کو مرد ہوں یا عورتیں۔ یا لڑکے لڑکیاں قرآن شریف کے کچھ حصہ کو روزانہ تلاوت میں رکھنا چاہیئے۔ اور اس کے معانی اور ترجمہ سمجھنے کی بھی کوشش کرنی چاہیئے۔ یہی وہ وظیفہ ہے جس سے ہمارا تزکیہ نفس ہو سکتا ہے۔

اور یہی وہ گُر ہے جو ہماری ترقی کا موجب ہو سکتا ہے ۔

۴۔ جو علمِ دین مرکزِ سلسلہ سے شائع ہوتا ہے اُس سے سب احباب کو واقف رہنا ضروری ہے۔ کیونکہ علم سے ہی انسان کے اندر قوت پیدا ہوتی ہے۔ پھر اس علم دین کے بعض حصّے ایسے ہیں جن پر انسان کا نہایت آسانی سے عبور ہو سکتا ہے۔ اسی ذیل میں بالخصوص قابل ذکر ہمارے اخبارات ہیں۔ اُردو ہوں یا انگریزی۔ اخبار ایک ایسی چیز ہے جس کے پڑھنے میں کاہل سے کاہل انسان کو کوئی بوجھ معلوم نہیں ہوتا اور اگر اخبار میں کچھ علمی حصّہ بھی ہے تو بہت سا علم انسان بغیر کسی قسم کی تکلیف اُٹھانے کے سیکھ جائے گا۔ علاوہ ازیں اخبار میں سلسلہ کے متعلق ہر قسم کی ضروری خبریں ہوتی ہیں جن سے ہمارے سب احباب کا واقف رہنا ضروری ہے۔ اس لئے سلسلہ کے ہر ایک فرد کو جو خواندہ ہے اپنا قومی اخبار پیغام صلح منگوانا ضروری ہے۔ اور جو احباب انگریزی خوان ہیں وہ اخبار لائٹ بھی منگواتے رہیں۔ تو اس سے نہ صرف ان کا تعلق سلسلہ تازہ رہے گا بلکہ ان کے علم میں بہت سی بیش قیمت معلومات کا اضافہ بغیر مشقت اُٹھانے کے ہوتا رہے گا ۔

۵۔ ہماری نئی نسل کے لئے ضروری ہے کہ ان کے سینوں میں بھی وہی دین کی محبت اور اعلائے کلمۃ اللہ کا جوش ہو جو ان کے بزرگوں کے دلوں میں ہے۔ لیکن یہ ہو نہیں سکتا۔ جب تک کہ ان میں بذریعہ تعلیم یہ احساس پیدا کیا جائے۔ اسی غرض کے لئے اپنا ایک ہائی سکول مرکز سلسلہ

لاہور میں قائم کیا گیا ہے جو احباب وسعت رکھتے ہیں اُن کو چاہیئے کہ اپنے بچوں کو یہاں تعلیم دلائیں۔ اولاد سے سچی محبت یہی ہے کہ اُنہیں ایسی راہ لگا یا جائے جو انجام کار ان کی خوشی اور خوشحالی کا موجب ہو۔ جو لوگ اپنی اولاد کو اپنے پاس سے الگ نہیں کرتے مگر تعلیم سے انہیں محروم کر دیتے ہیں جس طرح ایسے لوگ اپنی اولاد سے محبت میں عداوت کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ بھی اپنی اولاد سے محبت نہیں کرتے جو اپنا قومی مدرسہ ہوتے ہوئے جہاں ان کے بچے ہر قسم کے پاکیزہ خیالات سے متاثر ہو سکتے ہیں اور اپنے فکر معاش کے ساتھ خدا کے دین کے ناصر بن سکتے ہیں اُنہیں محض محبت کی وجہ سے یہاں نہیں بھیجتے۔ اگر وہ چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد ان کے لئے قرۃ عین ہو تو ضروری ہے کہ وہ ان کی تعلیم ایسے اصول پر کریں کہ ان کے اندر صحیح جذبات موجزن ہوں۔ اور وہ دنیا میں عزت کے ساتھ اپنے والدین کے لئے حقیقی راحت کا موجب ہوں۔ اور ان کی وفات کے بعد ان کی بہترین یادگار اور خدا کے دین کے خادم ہوں۔ ہمارے مدرسہ میں نہ صرف دینی تعلیم اعلےٰ پیمانہ پر ہوتی ہے بلکہ دنیاوی تعلیم اور اخلاقی نگرانی میں بھی ہمارا مدرسہ نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مَیں یہ بھی کہتا ہوں کہ جو احباب اپنی اولاد کو اعلیٰ تعلیم دلانا چاہتے ہیں وہ اگر تعلیمی سلسلہ کی طرف توجہ کریں یعنی اپنی اولاد کو بحیثیت معلم یا پروفیسر تیار کریں تو وہ اگر ملازمت کرنا چاہیں تو ملازمت کے ساتھ تبلیغی کام بھی بہت مفید کر سکتے ہیں کیونکہ ان کا اثر طلبا پر ہوگا اور اگر اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں میں ڈالے تو اسلام کے مبلغ بھی بن سکتے ہیں ؎

۶۔ کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کے غربا اور مساکین۔ یتامیٰ بیوگان وغیرہ کی خبر گیری کا انتظام نہ ہو۔ بنی کریم صلعم کی زندگی اس صداقت کی روشن ترین مثال ہے۔ آپؐ کے دل میں غربا اور مساکین کے لئے درد تھا ہم میں سے ہر ایک کے دل میں اس درد کا ہونا ضروری ہے۔ اسی غربا اور یتامیٰ کے گروہ میں سے دنیا کے اعلیٰ سے اعلیٰ شخص پیدا ہوئے ہیں۔ الم یجدك یتیمًا فاوٰی۔ پس اپنی قوم کے غربا کی خبر گیری ہم میں سے ہر ایک فرد کا پہلا فرض ہونا چاہیئے۔ جب یہ خیال دل میں قوی ہو تو سامان بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ہاں غریب سے غریب فرد قومی کی زندگی کو ایک بیش قیمت خزانہ سمجھنا چاہیئے اور جہاں تک ہماری طاقت اور بس ہو اس کے مفید بنانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

۷۔ قومی ترقی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ہر قسم کے تعلقات محبت آپس میں قوی ہونے چاہئیں۔ گو اخوت دینی کا سلسلہ بھی محبت پیدا کرنے کیلئے ایک زبردست ذریعہ ہے لیکن ظاہری تعلقات رشتہ اسے اور بھی مضبوط کر دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت مسیح موعودؑ نے یہ چاہا تھا کہ ہماری جماعت میں رشتہ داری کے تعلقات جہاں تک ممکن ہو آپس میں ہوں اسی غرض کیلئے یہاں مرکز سلسلہ میں یہ انتظام کیا گیا ہے کہ جو احباب لڑکے یا لڑکیوں کیلئے رشتہ کے تعلقات چاہتے ہوں اُن کو اس کے حصول میں ہر ممکن امداد دی جائے۔ علاوہ ازیں جماعت کے تعلقات برادری کے تعلقات سے بہت زیادہ مضبوط ہونے چاہئیں اور کسی دوست کی بیماری یا کسی دوسری مصیبت میں افراد جماعت

کو چاہیئے کہ اپنے آپ کو ایک جسم کے اجزاء سمجھیں۔ اور جس بھائی کو کسی قسم کی تکلیف میں دیکھیں اس کے ساتھ ہر ممکن امداد کریں۔ اور ایک دوسرے کی شادی وغم میں اُسی طرح شریک ہوں جس طرح عام برادریوں میں لوگ شریک ہوتے ہیں ؀

۸۔ جہاں جہاں جماعت میں کوئی خاص کمزوریاں محسوس ہوں۔ یا عام طور پر کوئی قابل اصلاح بات نظر آئے یا کوئی ایسی بات ہو جو کسی دوست کے خیال میں قوم کی ترقی کا موجب ہوسکتی ہو تو اس سے وقتاً فوقتاً مرکز میں اطلاع دی جائے۔ اس بارہ میں خاموش رہنے سے قومی نقصان ہے۔ گو یہ بھی ممکن ہے کہ ایسے تمام نقصوں کی اصلاح فوراً نہ ہوسکتی ہو یا ان تجاویز پر عملدرآمد نہ ہوسکتا ہو تاہم یہ ضروری ہے کہ ایسی باتوں سے یہاں اطلاع دی جائے۔ انشاء اللہ ہر ممکن کوشش سے اصلاح کی جائے گی ؀

۹۔ آخری بات جو اس بارہ میں مَیں کہوں گا یہ ہے کہ جسقدر اندرونی اصلاحات کا اوپر ذکر ہے۔ یہ سب ہماری اصلی ترقی کی پہلی سیڑھی ہیں۔ ہماری اصلی ترقی جماعت کی تعداد کی ترقی ہے گو ہماری جماعت کے قیام کا مقصد اشاعت وتبلیغ اسلام ہی ہے۔ مگر چونکہ اشاعت وتبلیغ کا کام خود ایک منظم جماعت کے وجود کو چاہتا ہے۔ اور چونکہ عام مسلمانوں میں بہت سے خیالات ایسے پائے جاتے ہیں جو اشاعت اسلام کے کام میں بجائے خود ایک بھاری روک بن رہے ہیں۔ مثلاً حضرت عیسیٰؑ کا چوتھے آسمان پر بغیر کسی جسمانی تغیر کے اور بغیر کھانے پینے کے اسی جسد عنصری سے زندہ ماننا۔ یا اس امت کو ایک بنی اسرائیلی

نبی کا محتاج سمجھنا یا یہ عقیدہ کہ مہدی آئے گا تو بزور شمشیر اسلام پھیلائے گا۔ اور جو شخص اسلام قبول نہ کریگا اُسے قتل کر دیگا۔ یا خاتم النبیین کے بعد ایک نبی کا آنا یہ تمام معتقدات ایسے ہیں جو تبلیغ اسلام میں ایک خطرناک رکاوٹ ہو رہے ہیں اس لئے ایک ایسی جماعت کا وجود ضروری ہے جس کے اعتقادات اگر ایک طرف ان باطل خیالات سے پاک ہوں تو دوسری طرف اس کے وجود کا مقصد بھی سوائے تبلیغ و اشاعت اسلام کے کچھ نہ ہو۔ اور اس جماعت کی جس قدر ترقی ہوگی وہ درحقیقت تبلیغ و اشاعت اسلام کے عظیم الشان کام میں ترقی ہوگی۔ اس لئے جماعت کی تعداد کو بڑھانے کے لئے ہم سب کو فکر کرنی چاہیئے۔ اور یوں بھی اللہ تعالیٰ نے ہر ایک مسلمان کو خسران سے بچنے کے لئے یہ راہ بتائی ہے کہ وہ تواصی بالحق کرے۔ پس اگر حضرت مسیح موعود کے ذریعہ سے ہم نے ایک صداقت کی نعمت عظمیٰ کو حاصل کیا ہے۔ تو ہمارا فرض ہے کہ اس نعمت کو اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں تک پہنچائیں۔ اور وانذر عشیرتک الاقربین کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ہم میں سے ہر شخص اپنے قریبیوں کی طرف پہلے توجہ کرے۔ ہر ایک شخص کیلئے یہ میدان کھلا ہے۔ اس کی بات سننے والے موجود ہیں۔ حق بات کا بتا دینا ہمارا کام ہے۔ سو ہر شخص کو پہلے اپنے قریبیوں سے اس بات کو شروع کرنا چاہیئے پھر اپنے عزیز اور دوست پھر ایسے لوگ جن سے کسی قسم کے تعلقات ہوں۔ پھر دور کے لوگ۔ ہاں غلط خیالات کو دلوں سے نکالنے کے لئے ایک دفعہ نہیں بلکہ متواتر جدّ و جہد کی ضرورت ہے۔ اور اس جدّ و جہد میں ہمیں کسی صورت سے بھی

تھکنا نہیں چاہیئے۔ اگر ہم سو آدمیوں کو تبلیغ کریں اور اُن میں سے ننانویں ہماری بات کو قبول نہ کریں تو بھی ہمیں یہ توقع رکھنی چاہیئے کہ سواں آدمی اُسے ضرور قبول کرے گا۔ جن امور کی طرف مجدّد وقت نے توجہ دلائی ہے وہ فی الحقیقت اسلام کی زندگی اور کامیابی کے لئے ضروری ہیں اور آخر کار مسلمان اس راستہ پر آئیں گے۔ ہاں ابتدا میں مخالفت ہونا بھی ضروری ہے۔ سو مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ہمیں سب مسلمانوں کو اس راہ کی طرف لانے کی کوشش کرنی چاہیئے جو اسلام کی خدمت کی سچّی راہ ہے۔ ہاں جہاں ہم ہر طور پر اپنے مسلمان بھائیوں کو ان باتوں کے سمجھانیکی کوشش کریں دوسری طرف دعا سے بھی کام لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے سینوں کو اس حق کی قبولیت کیلئے کھولے جو حضرت مسیح موعود لائے ہیں تاکہ اسلام کا چہرہ ہر قسم کے بدنما داغوں سے پاک ہو اور ہم سب اکٹھے ہو کر تعلیم اسلام کو دنیا میں پھیلا سکیں +

ایک اور امر جس کی طرف میں سب احباب کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص سب سے پہلے اپنے گھر کی اصلاح کرے۔ ہمارے گھروں میں اسلامی سادگی کا نمونہ ہو۔ اور ہر قسم کے بیہودہ رسم و رواج سے اجتناب ہو مسلمانوں کے گھروں کے اندر مشرکانہ رسوم نے اخلاق کو اور اسراف اور فضول خرچی کی رسوم نے مال اور جائدادوں کو تباہ کر رکھا ہے۔ شرک صرف یہی نہیں کہ انسان غیر اللہ کے آگے سجدہ کرے بلکہ غیر اللہ سے مرادوں کا مانگنا بھی ویسا ہی شرک ہے۔ اولیاء کی قبروں پر چڑھاوے چڑھانا اور ان کے ذریعہ سے اپنی حاجت برآری چاہنا شرک ہے مصیبت

کے وقت صرف خدا کی طرف رجوع کرنا اور خدا کے آگے جھکنا چاہیئے - ہاں ظاہری اسباب سے فائدہ اُٹھانا رجوع الی اللہ کے خلاف نہیں۔ ایسا ہی غمی اور شادی کے موقعہ پر جو رسوم ہیں اُن کو ترک کر کے اسلامی سادگی کو اختیار کرنا چاہیئے۔ اکثر رسوم ایسی ہیں کہ اُن میں انسان ناک کی خاطر اپنا روپیہ برباد کرتا چلا جاتا ہے۔ قرآن شریف نے ایسے خرچ کو ریا میں داخل کیا ہے اور یہ مسلمان کا کام نہیں۔ بہت لوگ ایسے ہیں جو ایسی رسوم کے وقت یہ جھوٹی تسلی دل کو دے لیتے ہیں کہ اس وقت تو فلاں مجبوری کی وجہ سے اس رسم کو کر لیتے ہیں آئندہ چھوڑ دیں گے۔ یہی وہ بدعادات ہیں جو ہر گناہ کا ارتکاب کرنیوالے کو آخر کار ہلاکت تک پہنچا دیتی ہیں - ہر گناہ ہر بد رسم کی جڑ صرف اس مردانہ ہمّت سے کٹ سکتی ہے کہ انسان ہزارہا قسم کی مخالفتوں اور مشکلات کے مقابلہ کو ہیچ سمجھے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ گھروں میں سے رسم و رواجات کی زنجیریں تب ہی کٹ سکتی ہیں جب مستورات اور بچّوں کو دین کی صحیح تعلیم سے واقف کیا جائے اور اس کے لئے سب دوستوں کو سر توڑ کوشش کرنی چاہیئے کہ ان کے گھر مشاغل دینی کی وجہ سے دوسروں کے لئے نمونہ ہوں اور گھروں کے اندر قرآن و حدیث و تاریخ اسلامی کی تعلیم کا پورا انتظام کیا جائے۔

محمد علی

احمدیّہ بلڈنگس - لاہور